شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری
قدس اللّٰہ سرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

نومبر 2020ء/ ربیع الاوّل، ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ جلد نمبر 12، شمارہ نمبر 11 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبر شپ: 200 روپے تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

''پس ایک بات تو (جو ہر) انسان سے شرع (اسلامی شریعت) کو مطلوب ہے (اور) جس (کے کرنے) کا وہ مکلّف (پابند) ہے، اس کی استعداد (صلاحیت) تو عموماً تمام لوگوں میں ہوتی ہے اور شاذ و نادر (خال خال ہی) کسی میں نہ ہو۔ (جو کام) شاذ (و نادر درجے کا ہو، وہ) معدوم (اور نا قابل توجہ ہونے) کا حکم (کی حیثیت) رکھتا ہے۔ (اس کے علاوہ) ایک (اور بات جو شرعی لحاظ سے) مطلوب (یعنی اس کے کرنے کا تقاضا) ہر شخص سے نہیں اور اس کا (تمام) لوگوں کو مکلّف نہیں کیا (گیا، تو) وہ جس میں (اس کی) استعداد ہوتی ہے، اس کو (کوشش اور محنت سے) حاصل ہو جاتی ہے، (مگر) دوسرے کو نہیں۔

(لہٰذا) اتنا ''تصوف'' (اختیار کرنا) تو ہر شخص سے ممکن ہے کہ وہ خلوصِ نیت سے نیکی کی کوشش کریں۔ بُرائی (سرزد ہونے کی صورت میں اس) پر نادم ہو کر توبہ کریں اور اس تصوف کا (تو) شرعاً ہر شخص مکلّف ہے۔ اور اسے اصطلاح میں عموماً تصوف بھی نہیں کہا جاتا۔ (اس کے علاوہ) ایک (دوسرا شخص) اس سے زیادہ (عمل کرنے) کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس فن (تصوف) میں کوشش (مجاہدہ) کرتا ہے (تو اس طرح کی کوششوں کے) نتائج، اللہ میاں کے ہاتھ میں ہیں (کہ وہ کامیاب کرتا ہے)۔

(۳۰/ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ/ 25/نومبر 1946ء، بروز: سوموار۔ مقام: نظام الدین، دہلی)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 30-229، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیب مضامین

- صبر و استقامت اور نماز کی اہمیت
- مال کے استعمال کے آداب (2)
- حضرت سعید بن العاص اُموی قریشی رضی اللہ عنہٗ
- پھر اتحادوں کی سیاست!
- اَخلاقِ اربعہ کے حصول کا قرآنی طریقۂ کار (1)
- حجاج بن یوسف ثقفی (1)
- ڈالر کا زوال
- تنازعۂ ناگورنو قرہ باغ؛ خطہ قفقاز
- قول و فعل کے تضاد کا نقصان
- مشاورت؛ جماعتوں کے اجتماعی نظام کی روح ہے
- قیادت پر مسلط ناکارہ طبقے تنظیمی طاقت و قوت سے محروم ہیں
- پارلیمنٹ اور ڈی چوک کے پاور شو
- حضرت مولانا ابو محمد احمد الدین چکوالیؒ
- نباض العصر؛ حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ
- پیامِ صبحِ روشن
- ادارہ رحیمیہ لاہور میں 17 روزہ ''دورۂ تفسیر قرآن حکیم'' کا انعقاد
- دینی مسائل

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

صبر واستقامت اور نماز کی اہمیت

وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ (45-46:2)

(اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے۔ اور البتہ وہ بھاری ہے، مگر انھی عاجزوں پر، جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے ربّ کے۔ اور یہ کہ اُن کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی کھلی اور واضح خرابیاں اِجمالی طور پر بیان کی گئی ہیں۔ ان آیات میں ان خرابیوں سے نجات اور صحیح فکروعمل پر استقامت کا طریقہ بتلایا جا رہا ہے۔ ایمان کے بعد صبر واستقامت اور خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ سے تعلق قائم کرنے سے انسان ان خرابیوں اور بُرائیوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ؕ: جو آدمی اپنے غلط فکروعمل سے رجوع کر کے صحیح راستے پر آنا چاہتا ہے، تو اُسے صبر واستقامت اور نماز کی پابندی کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ جب کوئی آدمی اپنی بُری حالت کو بدلنا چاہے اور ایسا فکروعمل، صحیح نظریہ اور عملی طریقۂ کار اختیار کرنا چاہتا ہے تو اُس کے راستے میں بڑی مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ماضی میں کی گئی غلطیوں اور گناہوں سے رجوع کرے، لیکن بسا اوقات ظالم قوتیں اُس پر جھپٹتی ہیں اور اُس کا سماجی بائیکاٹ کیا جاتا ہے، جس سے اس کی معیشت کا نظام خراب ہو جاتا ہے۔ اُسے اپنی زندگی کی ضروریات کو حاصل کرنے میں بڑی مشقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ ایسے ماحول میں جو آدمی پختہ طور پر اپنی ماضی کی حالت کو بدلنے کے لیے تیار ہے تو اُسے ان مصائب پر صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اُسے ان مشکلات کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ وہ صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ سے مدد طلب کرے۔ اس لیے کہ حق پر صبر واستقامت سے انسان میں ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا واحد اور کامل وسیلہ صرف نماز ہے۔

صبر کا لغوی معنی ہمت سے کام لینا اور ڈٹ جانا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں:

1۔ "صبر علی الطّاعات" (نیکیوں پر جماؤ)؛ یعنی "البِرّ" کے اُصول پر جن نیکیوں کا حکم دیا گیا ہے، اُن پر استقامت کے ساتھ عمل کرنا اور صحیح فکروعمل پر جماؤ اختیار کرنا۔

2۔ "صبر عن المعاصی" (گناہوں سے رُک جانا)؛ یعنی "الإثم" پر مبنی جن گناہوں اور بُرائیوں سے روکا گیا ہے، اُن سے پوری استقامت سے رُکے رہنا۔

3۔ "صبر علیٰ المصائب" (مصیبتوں پر صبر کرنا)؛ یعنی نیکی کی حالت قائم کرنے اور بُرائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے انسان تیار ہو جائے تو اس راستے میں آنے والی مصیبتوں کو پوری ہمت کے ساتھ برداشت کرنا۔

اس سے ارادے کی پختگی اور انسانی ہمت کی طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ ہمت اور جرأت اس کی مددگار بنتی ہے۔ اسی لیے صبر واستقامت سے مدد لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ انسان کے لیے مددگار دوسری چیز نماز ہے۔ جب انسان صبر واستقامت کے ساتھ اپنے صحیح ایمان اور نظریے کے مطابق عملی کام کرنے کے لیے پُرعزم ہو جاتا ہے تو مصیبتیں آتی ہیں، پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے ماحول میں اللہ کی طرف رجوع کر کے نماز پڑھنا بہت مددگار بنتا ہے۔ نماز کے ذریعے سے اللہ کی تجلیات نازل ہوتی ہیں، جس سے انسان کی روح طاقت ور بنتی ہے۔ روح کی طاقت انسان کی حالت بدلنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ صحیح ربط اور تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ نبی اکرمؐ کے بارے میں ہے: "كان النبيّ ﷺ إذا حزبهٗ أمر صلّٰى" (سنن ابی داوٗد: 1319) (نبی اکرمؐ کو جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو آپؐ نماز پڑھتے تھے)۔

وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾: ان دونوں چیزوں سے مدد لینا بہت مشکل ہے۔ اس مشکل سے نمٹنا تبھی ممکن ہے کہ جب انسان اپنی پوری قوتِ عقلیہ کے ساتھ یہ سمجھے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے، اُسی کے سامنے خشوع و خضوع اختیار کرنا ہے اور وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا بالکل اسی طرح محتاج ہے، جیسا کہ کھانا پینا بلکہ اُس سے بھی زیادہ رجوع الی اللہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف خشوع اور خضوع اختیار کرنے والوں کے لیے ان سے مدد لینا آسان ہوتا ہے۔

الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾: اللہ کی طرف خشوع وخضوع کی وضاحت کرتے ہوئے دو بنیادی اَساسی اُمور بیان کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اُن کے دلوں میں یہ خیال پختہ ہو جائے کہ انھیں اپنے ربّ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے، وہ ضرور اللہ کے سامنے جواب دہی کی وجہ سے صبر واستقامت اور نماز کے ذریعے سے مدد طلب کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اُن کے ذہن میں یہ واضح ہو جائے کہ انھیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ دنیا کے تمام اُمور کا آخری نتیجہ یہی ہے کہ انھیں واپس اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف جانا ہے۔ وہاں حساب وکتاب ہونا ہے۔ گناہوں اور ظلم میں مبتلا لوگوں کے لیے سزا ہے اور عدل وانصاف، امن وامان اور اچھی حالت اختیار کرنے والے عمدہ اَخلاق کے حامل لوگوں کے لیے انعامات اور جنت کی ترقیات حاصل ہونا ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق اور نماز اور صبر سے استعانت حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے، جو وصول الی اللہ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو اور ہدایتِ انسانی کے تمام شعبوں میں کامل اور مکمل ہو۔ اپنی اجتماعی طاقت سے اللہ کے احکامات کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے کردار ادا کرے۔ اسی لیے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور اجتماعیت ہی کی صورت میں صبر واستقامت اختیار کرنا آسان ہوتا ہے۔ یہودیوں سے کہا جا رہا ہے کہ اپنی بداَخلاقی چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر اُن کی جماعت کا حصہ بنیں۔ تبھی کامیابی ممکن ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

مال کے استعمال کے آداب

2

حَدَّثَنَا شَدَّادٌ قَالَ: سمعتُ أَبَا أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "يَاابْنَ آدَمَ إِنَّکَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَکَ، وَأَنْ تُمْسِکَهُ شَرٌّ لَکَ، وَلَا تُلَامُ عَلٰى کَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى."

(سیّدنا ابواُمامہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اولادِ آدم! ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنا تیرے لیے بہتر ہے۔ اور روک کر رکھنا تیرے لیے شرّ ہے۔ ہاں! اس قدر بچانا قابلِ ملامت نہیں، جو تیری ضرورت کے لیے کافی ہو۔ اور انفاق کا آغاز ان سے کر، جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے۔ اور اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے کے ہاتھ سے۔'' (الصحیح المسلم، 2388)

(3) اس حدیث کے آخری جملے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ یہ لینے والا ہاتھ خواہ فقر کی وجہ سے ہو یا حرص، لالچ اور استحصال کی وجہ سے ہو۔ یہ اِنفرادی صورت میں ہو یا اجتماعی شکل میں ہو۔ بہرصورت حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں انسانی معاشرے کے لیے خیر کا باعث نہیں ہے۔ انسان کا ہاتھ اوپر والا یا دینے والا تب بنتا ہے، جب مالی فراوانی ہو، مال پرستی کا خاتمہ ہو اور انسان دوستی کا ماحول ہو۔ اگر کوئی فرد یا معاشرہ مفلوک الحال ہوجائے تو افلاس انسان کو ہاتھ پھیلانے پہ مجبور کردیتا ہے۔ ایسے میں اَخلاق کی بلندی قائم نہیں رہ سکتی، بلکہ عقائد تک میں فساد کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ''فقر انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے''۔ (سنن نسائی) اس لیے ضرورت ہے کہ ایسا اقتصادی نظام قائم ہو جو افراد و معاشرے کو خوش حال کردے، تنگ دستی اور محتاجی سے چھٹکارا دِلائے، تاکہ لوگ مانگنے والوں کے بجائے دینے والے بن جائیں۔ خوش حالی اور فراوانی میں انسان اپنے عزو شرف اور وقار کو قائم کرنے کی طرف طبعی اور جبلی طور پر مائل ہوتا ہے۔ جب یہ فضا عمومی ہوجائے تو اس سے معاشرتی استحکام، بلند فکری اور ذہنی بالیدگی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اس کے بعد ہر وہ طریقہ قانوناً ممنوع قرار دیا جائے، جو چھینا جھپٹی اور حرص و طمع کا ہو۔ اس کے ساتھ اِصلاح و تربیت کا ایسا نظام ہو، جو انسان کو نفس کے اغوا اور استحصال پسندوں سے محفوظ کردے۔

آج سرمایہ دارانہ اور استحصال پسند نظام کے ماحول میں ہم جی رہے ہیں۔ آج اصلاح و تربیت اور وعظ و نصیحت اس لیے بے اثر ہے کہ اس کی پرورش کا ماحول موجود نہیں ہے۔ معروضی صورتِ حال میں ہمیں اِنفرادی سطح پر اپنے قرب و جوار کے لوگوں کا ممکنہ خیال رکھنے کے ساتھ اجتماعی سطح پر اس نظام کا متبادل ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کرنی ہے، جو اس حدیث کے تقاضے پورے کردے۔ سرمایہ پرستانہ نظام ختم ہوجائے۔ ایثار، ہمدردی اور اجتماعیت پر مبنی معاشی نظام قائم ہوجائے۔ مال کے درست استعمال کا عمومی اور اجتماعی ماحول بن جائے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت سعید بن العاص اُموی قریشی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرماتے وقت حضرت سعید بن العاصؓ کی عمر 9 سال تھی۔ آپؓ یتیم تھے اور آپؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کی گود میں پرورش پائی۔ فتحِ شام پر حضرت امیر معاویہؓ کے پاس تعلیم کی غرض سے رہنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے افرادِ قریش کو یاد کیا اور حضرت سعیدؓ کا تذکرہ ہوا تو حضرت امیر معاویہؓ کو حکم دیا کہ انھیں (میرے پاس) مدینہ بھیج دو۔ جب ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے آپؓ کی قابلیت وصلاحیت کی تعریف کی اور فرمایا: ''اپنی صلاحیتوں کو اور بڑھاؤ''۔ حضرت عثمانؓ نے انھیں واپس بلا کر شادی کرائی۔ آپؓ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت ۳۰ھ میں ہی کوفہ کے گورنر بنے اور طبرستان اور وسط ایشیا کے کئی علاقے فتح کیے۔ اسی دوران حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے اختلافِ قرأت کی طرف توجہ دلائی اور کوفہ میں مجلس بیٹھی، مگر نتیجہ نہ نکلا تو حضرت عثمانؓ نے جمعِ قرآن کے لیے ایک کمیٹی بنائی، جس میں حضرت سعیدؓ بھی تھے۔ آپؓ کے ذمے اس کی عربیت کی نوعیّتوں کا خیال رکھنا تھا۔ آپؓ ''أفصحُ النّاس'' اور ''أعربُ النّاس'' مشہور تھے۔ (تاریخ ابن خلدون)

حضرت ثعلبہ بن زہدم الیربوعی کہتے ہیں کہ ہم طبرستان کی جنگ میں امیرِ لشکر حضرت سعیدؓ کے ساتھ تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ آپؐ کی نمازِ خوف کسے یاد ہے؟ تو حضرت حذیفہؓ نے کہا: مجھے یاد ہے۔ آپؓ نے ایک صف حضرت حذیفہؓ کے پیچھے کھڑی کی اور دوسری دشمن کے مقابل۔ اس طرح نمازِ خوف سنت کے مطابق ادا کروائی۔ (بغوی)

حضرت سعیدؓ کی نسلوں میں بھی علم و تفقہ کا سلسلہ جاری رہا، جن کو اہلِ علم نے ثقات کا درجہ دیا ہے۔ حضرت سعیدؓ کریم، سخی اور قابلِ تعریف تھے۔ آپؓ لوگوں میں سے لہجے کے اعتبار سے رسول اللہؐ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر) حضرت سعیدؓ کا قول ہے کہ: ''میرے شریکِ مجلس کے مجھ پر تین حق ہیں: (1) جب قریب آئے تو خوش آمدید کہوں۔ (2) جب بات کرے تو پوری توجہ دوں۔ (3) جب بیٹھ جائے تو اس کے لیے وسعت اختیار کروں''۔ آپؓ نے اپنے بیٹے عمرو کو وصیت کی کہ: ''میری بیٹیوں پر سختی مت کرنا''۔ فرمایا کہ: ''اگر میں اپنے بچے کو قرآن حکیم پڑھا دوں، دلائل سے بات کرنا سکھلا دوں اور اس کی شادی کرادوں تو میں نے اس کا حق ادا کردیا اور میرا حق اس پر ابھی باقی ہے''۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں آپؓ مدینہ کے گورنر بنے اور اسی عہد میں آپؓ نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔ جب حضرت سعیدؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ: ''میرے بعد میرے بھائیوں کو مت کھو دینا۔ ان کے ساتھ وہی رویہ رکھنا، جو میں ان کے ساتھ رکھتا تھا اور وہی کرنا جو میں کرتا تھا۔ ایسی نوبت مت آنے دینا کہ وہ تمھارے آگے دستِ حاجت دراز کریں۔ کیوں کہ جب کوئی آدمی اپنی کسی ضرورت کا ذکر کرتا ہے تو وہ بہت گھبرایا ہوا اور شرم سار ہوتا ہے۔ اس کی زبان لڑکھڑاتی ہے اور ضرورت اس کے چہرے سے جھلکتی ہے۔ ان کے سوال کرنے سے پہلے ان کی ضرورت پوری کردینا''۔

www.rahimia.org

شذرات

پھر اتحادوں کی سیاست!

آج کل ایک بار پھر پاکستانی قوم اتحاد کی سیاست کی زد میں ہے۔ پاکستانی سیاست میں اس طرز کا سیاسی کھیل پہلی بار نہیں ہو رہا۔ یہ کھیل ہماری قومی تاریخ میں ہر چند سال بعد دُہرایا جاتا ہے، لیکن تاریخ اور سیاست کے طالب علم کے سامنے اصل سوال یہ ہے کہ ایسے اتحاد کب، کیسے اور کیوں بنتے ہیں؟ ہماری سیاسی جماعتیں اصل کام کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟ کیا اصل کام کے راستے میں کوئی رکاوٹ ہے؟ یا یہ جماعتیں خود اس کام کے راستے کا سب سے بھاری پتھر ہیں؟ یہ بات تاریخی مسلمات کا درجہ اختیار کر چکی ہے کہ ایسی تحریکیں اور اتحاد کوئی ٹھوس نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے، جیسا کہ ہم انھیں صفحات پر ملک میں وقفے وقفے سے اٹھنے والی تحریکات کے حوالے سے بارہا عرض کر چکے ہیں۔

آج کا سب سے اہم قومی سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس طرح کی تحریکیں اپنی منزلِ مراد تک کیوں نہیں پہنچ پاتیں؟ دراصل بات یہ ہے کہ ان کی کوئی قومی اور اجتماعی منزل ہی نہیں ہوتی، البتہ ان پارٹیوں پر قابض شخصیات نے اپنے شخصی اور انفرادی مفادات کے حوالے سے جو کچھ طے کر رکھا ہوتا ہے، اگر وہ مل جائے تو وہ در پردہ حاصل کر کے تحریکیں ختم کر دی جاتی ہیں۔

پنجاب میں ملک خضر حیات ٹوانہ کے خلاف قیامِ پاکستان سے چند ماہ قبل چلنے والی سول نافرمانی کی ایک تحریک میں جب ایک پارٹی نے ''خضری کتا ہائے ہائے'' کے نعرے لگوائے اور پھر سر ظفر اللہ خاں کے ذریعے جب خضر حیات کو استعفیٰ اور مسلم لیگ سے تعاون کا پیغام دیا گیا اور خضر حیات پنجاب کی وزارتِ عظمیٰ سے مستعفی ہو گئے اور یہ خبر خضر حیات کے خلاف ہونے والے مظاہروں میں پہنچائی گئی اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ خضر حیات نے مسلم لیگ جوائن کر لی ہے تو وہاں سٹیج سے ایک نعرہ بلند ہوا کہ ''ابھی ابھی خبر آئی ہے، خضر ہمارا بھائی ہے''۔ یہ نعرہ ہمارے اس طرح کے سیاسی اتحادوں اور تحریکوں کی قلعی کھولنے کے لیے کافی ہے کہ کچھ لوگوں کے مفادات کو تحفظ مل جانے کے بعد دفعتہً پوری تحریک کا رُخ بدل دیا جاتا ہے اور سیاسی دشمنوں کو بھی بھائی بنا لیا جاتا ہے۔ شرم ناک بات یہ ہے کہ ایسی تحریکوں کو کامیاب بنانے کے لیے انسانی خون سے سینچا جاتا ہے۔ اس کے لیے معصوم انسانوں کی لاشیں گرائی جاتی ہیں۔

جہاں دنیا میں منظّم عوامی تحریکوں کو کامیاب بنانے کے لیے قیادتیں نظام کے خلاف اپنے عوام کے حق میں ریلیف کے منصوبے اور ان کی حیات کی بقا کو زیرِ بحث لاتی ہیں، وہاں ہماری نام نہاد سیاسی قیادت تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے عوام ہی میں سے چند لاشوں کے حصول کی منصوبہ بندی کرتی ہے۔ پاکستان میں ایسے ہی حکومتیں گرانے کے ایک مرحوم ماہر سیاست دان نے ایوب خاں کے خلاف اپنے سیاسی اتحادیوں سے حکومت گرانے کو یقینی بنانے کے لیے ایک اجلاس میں چند لاشوں کے حصول کی حکمتِ عملی پر غور کیا تھا کہ اگر ہمیں اس تحریک کے آغاز ہی میں چند لاشیں مل جائیں تو پھر ایوب کی حکومت کو ہم سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ہماری سیاست کا یہ انسان دشمن پہلو ہمارے آج کے نوجوانوں کے سامنے ہونا انتہائی اہم ہے۔

ان اتحادوں سے متعلق ایک اہم بات یہ ہے کہ اس کی عمارت بہت ہی خوب صورت ناموں پر کھڑی کی جاتی ہے، جس میں قومی اتحاد اور نظامِ مصطفیٰ کی اینٹوں سے اس کا صدر دروازہ چنا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ان کی اپنی پارٹیاں تحریکی جذبے اور جمہوریت سے بالکل خالی ہوتی ہیں۔ یہ کوئی حقیقی اتحاد نہیں ہوتے، بلکہ ایک وقتی انبوہ ہوتا ہے، جو اپنے اپنے مفادات کو لاحق خطرات کی وجہ سے جمع ہو جاتا ہے۔ ملک اور قوم کے مفاد میں کوئی طویل المدتی عمل اور منصوبہ بندی ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو اب تک کی بیسیوں ایسی تحریکیں اور اتحاد ہمارے دُکھوں کا مداوا کر چکے ہوتے، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ایسی تحریکوں کے اختتام پر قوم ایک نئے عذاب اور بحران سے دوچار ہو جاتی ہے۔ گویا ان کا معاملہ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' والا ہی رہتا ہے۔ موجودہ اپوزیشن اتحاد ''پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ'' کا سیاہ ترین پہلو کرپشن اور بدعنوانی میں لتھڑی لبِ گور سیاست کو مذہبی کارکنوں کے دینی جوش وخروش سے آکسیجن فراہم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جو کرپٹ سرمایہ داروں کو مذہب کے سہارے تحفظ دینے کے مترادف ہے۔ جو دینِ اسلام کے عوام دوست نظریے کے چہرے پر کلنک کا ٹیکا لگانے کی ایک ناکام کوشش ہے۔

ان تحریکوں کی بنیاد نظریے کے بجائے نعرے پر ہوتی ہے۔ ان کے نعروں میں موجود حتمیت اور قطعیت (definitiveness) عوام کے لیے سب سے بڑا فریب ہوتا ہے، حال آں کہ یہ اپنے ہی اعلانات کے علی الرغم محاذ چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ ان کے خیال میں ’حکومت اس وقت تک قائم ہے، جب تک یہ تحریک شروع نہیں کرتے۔ جس دن انھوں نے جلسہ گاہوں کو رونق بخش دی، اس کے بعد حکومت چند گھنٹوں کی مہمان رہ جائے گی‘۔ لیکن ان نعروں کی قطعیت کی حقیقت سابقہ دھرنوں اور جلسوں میں ان نعروں اور دعووں سے سمجھی جا سکتی ہے کہ جس میں یہ انبوہ ہفتوں سر پھٹول کر کے واپس لوٹے تھے۔ ان کی قیادت چند گھنٹوں میں لگژری گاڑیوں میں آرام دہ کمروں تک پہنچ جاتی ہے، جب کہ کارکن ہفتوں خجل خوار ہو کر اپنے گھر کی دہلیز پر قدم رکھنے میں کہیں جا کر کامیاب ہوتے ہیں۔ اس صورتِ حال کو 2015ء میں مسندِ اقتدار پر براجمان جماعت کے دھرنے اور اکتوبر 2019ء کے ایک مذہبی جماعت کے اسلام آباد دھرنے کے تناظر میں بہ خوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اب ہمارا نوجوان ان وقتی مفاداتی تحریکوں کے میکنزم کو سمجھے اور اس کی پشت پر موجود تانے بانے کے خوف ناک مقاصد کے خلاف اپنا قومی شعور بیدار کرے۔ قومی آزادی کے حقیقی مشن کو اپنا نصب العین بنا کر انسانیت کی ترقی کا ایک ایسا نظام قائم کر دکھائے، جو دنیا کے لیے زندہ مثال بن سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے ملکی ترقی کے حقیقی سیاسی شعور اور مشن کے لیے قبول فرمائے (آمین!)۔ (مدیر)

www.rahimia.org

اَخلاقِ اربعہ کے حصول کا قرآنی طریقۂ کار (1)

مترجم: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ ان چاروں اَخلاق (طہارت، اِخبات، سماحت اور عدالت) کو حاصل کرنے کی دو تدبیریں ہیں: 1۔ تدبیرِ علمی 2۔ تدبیرِ عملی

تدبیرِ علمی: اس کی اس لیے ضرورت ہے کہ انسان کی طبیعت اُس کی علمی اور ذہنی قوتوں کے تابع ہوتی ہے۔ اس لیے تم نے دیکھا ہوگا کہ جب انسان میں ذہنی طور پر کوئی خوف یا شرم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اس کی جنسی شہوت اور جوش ختم ہو جاتا ہے۔ پس جب (ان چاروں اَخلاق سے مرکب) فطرتِ انسانی سے اُسے علمی مناسبت پیدا ہوجاتی ہے تو یہ علم اُسے اعلیٰ اَخلاق کی طرف کھینچ کر لے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

تدبیرِ علمی کی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا ایک ربّ ہے جو:

(1) تمام بشری پستیوں سے بہت پاک ہے۔ (2) آسمان و زمین میں ایک ذرے کے برابر کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ (3) تین آدمی کوئی سرگوشی اور مشورہ کریں تو چوتھا اُن کا خدا ہوتا ہے اور پانچ آدمی ہوں تو چھٹا اُن کا خدا ہوتا ہے۔ (4) وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے وہ فیصلہ جاری کرتا ہے۔ اس کے فیصلوں کو اور اُس کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں۔ (5) وہی ہمارے اصل وجود اور اُس کے تابع تمام جسمانی اور روحانی نعمتوں کو عنایت کرنے والا ہے۔ (6) وہی انسان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے، اگر انسان اچھے کام کرے تو اچھا نتیجہ اور اگر بُرے کام کرے تو بُرا نتیجہ ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا قول (حدیثِ قدسی) ہے کہ: ''میرا بندہ گناہ کرتا ہے۔ پس اگر اُسے یہ علم ہے کہ اُس کا ایک ربّ ہے جو گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور گناہوں پر پکڑتا ہے تو (اس علم کی بنیاد پر) میں اپنے بندے کو معاف کر دیتا ہوں''۔ (رواہ مسلم: 7617)

خلاصہ یہ ہے کہ بندے کو:

(1) ایسا پختہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کی ہیبت و جلال اور اُس کی انتہا درجے کی عظمت اس میں پیدا ہو۔ اُس کے دل میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی کسی غیر کا رُعب اور اُس کے سامنے جھکنے کی حالت باقی نہ رہے۔

(2) اسی طرح وہ یہ اعتقاد بھی رکھے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ:

(الف) وہ اپنے ربّ کی طرف متوجہ رہے اور اُسی کی عبادت کرے۔

(ب) یہ کہ انسان کے حالات و کیفیات میں سب سے بہترین حالت ملائکہ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے یا اُن کے قریب ہونے کی ہو۔

(ج) یہ چاروں اَخلاق اُس کو اپنے ربّ تعالیٰ کی طرف قریب کرنے والے ہیں۔

(د) یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان اَخلاق کی وجہ سے اُن لوگوں سے راضی ہوتا ہے۔

(ہ) یہ کہ بندے پر اللہ کا یہ حق ہے، اسے پورا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ یہ بات علمی طور پر اس طرح جان لے اور اس کی ضد کا کوئی احتمال بھی اس کے ذہن میں باقی نہ رہے کہ اُس کی کامیابی انھی اَخلاق حاصل کرنے میں ہے۔ اور اس کی بدبختی ان اَخلاق کو چھوڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ علمی تدبیر ایسے کوڑے کی مانند ہو، جو انسان کی بہیمیت اور حیوانیت پر برسے تو اُسے بہت زیادہ تنبیہ حاصل ہو اور وہ اپنے بہیمی تقاضوں کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دے۔

اس سلسلے میں انبیا علیہم السلام کے طریقۂ کار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سب سے عمدہ ترین طریقہ وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کیا کہ انھوں نے اللہ کی پُرعظمت نشانیوں اور نعمتوں سے لوگوں کو تذکیر اور نصیحت کی۔ اللہ کی بلند صفات بیان کیں اور اُس کی آفاقی اور روحانی نعمتوں کا تذکرہ کیا۔ یہاں تک کہ انسانی روح کو صحت مند بنانے کے لیے اس ''علم التّذكير بآلاء اللّٰه'' میں مزید کسی اضافے کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ بات اس قدر تحقیقی طور پر ثابت ہوگئی کہ انسان اُسی ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے اپنی لذتوں کو چھوڑیں اور اُس کے ذکر کو باقی ہر چیز پر ترجیح دیں۔ اُس ذاتِ باری تعالیٰ سے شدید محبت کریں اور انتہا درجے کی اپنی جدوجہد کر کے صرف اُسی ہی کی عبادت کریں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے (حضرت ابراہیمؑ کے بیان کردہ اس علم التّذكير بآلاء اللّٰه) کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ''علم التّذكير بأيّام اللّٰه'' شامل کر دیا۔ اس علم میں اللہ تعالیٰ نے اُن انعامات کا بیان کیا ہے، جو مطیع اور فرماں بردار لوگوں کے لیے ہے۔ اس سزا کا بیان ہے، جو دنیا میں نافرمان لوگوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور مصیبتوں کو لوگوں میں بدلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے دلوں میں گناہوں کا خوف پیدا ہو جائے اور عبادات کی طرف شدید رغبت پیدا ہو جائے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان دونوں علوم کے ساتھ ہمارے نبی اکرمؐ کے لیے دو باتوں کا مزید اضافہ کیا:

(1) علم الموت و ما بعدهٗ یعنی قبر اور حشر وغیرہ میں پیش آنے والے واقعات بیان کر کے لوگوں کو (عذابِ الٰہی سے) ڈرایا اور (انعاماتِ الٰہی کی) خوش خبری دی۔

(2) علم البِرّ و الإثم یعنی نیکی اور بدی کا علم اور اُس کے خواص بیان کیے۔

ان تینوں علوم سے متعلق اُمور کا صرف علمی طور پر جان لینا کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ ان علمی باتوں کا بار بار بیان کیا جائے اور ہر وقت ان کو ملاحظہ کیا جائے اور انھیں اپنی نگاہوں کے سامنے ہر وقت رکھا جائے، یہاں تک کہ انسان کی تمام علمی قوتیں ان امور سے بھر جائیں اور انسانی جسم اور اس کے اَعضا ان کے فرماں بردار بن جائیں۔

یہ تینوں علوم (1. علم التّذكير بآلاء اللّٰه 2. علم التّذكير بأيّام اللّٰه 3. علم التّذكير بالموت و ما بعدهٗ) دیگر دو علوم یعنی (1) ایک واجب اور حرام پر مشتمل ''علم الأحكام'' اور (2) دوسرا کافروں کے شکوک و شبہات دور کرنا یعنی ''علم مخاصمه''، یہ کل پانچ قرآن عظیم کے عمدہ ترین علوم ہیں''۔

(باب طريق اكتساب هذه الخصال و تكميل ناقصها و رد فاعلها)

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

حجاج بن یوسف ثقفی 1

ابو محمد حجاج بن یوسف ثقفی ۴۰ھ/ 660ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد طائف کے معزز لوگوں میں سے تھے۔ طائف کے پُرفضا ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، جو کہ ایک مدرّس تھے۔ طائف کے ماحول کے مطابق قرآن کریم حفظ کیا۔ قرآن و حدیث کی تفسیر و تفہیم کے لیے اکابر علما سے کسبِ فیض کیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد تدریس کا پیشہ اختیار کیا، تاہم وہ اپنے اس منصب سے مطمئن نہ تھے۔ وہ کسی طرح طائف سے دارالخلافہ دمشق پہنچے اور خلیفۂ وقت تک رسائی حاصل کی۔ خلیفہ عبدالملک نے ان کی انتظامی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے پہلے اُن کو فوج میں اہم منصب عطا کیا۔ پھر شورش زدہ صوبہ عراق کا گورنر بنایا، جہاں سے آئے دن بغاوت کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ عراقی باشندے جو ہمیشہ باغیانہ کارروائیوں میں سرگرم رہتے تھے، حجاج نے اپنے دورِ حکومت میں اُن باغیوں کی سرکوبی کی اور پورے علاقے میں امن و امان قائم کیا۔ وہ نہایت فصیح و بلیغ اور شعر و خطابت پر بے پناہ دسترس رکھتے تھے۔

تاریخ میں حجاج بن یوسف کے بارے میں بہت کچھ رطب و یابس ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جب خطے میں عادلانہ نظام کے خلاف کچھ لوگ بغاوت پر اُتر آئیں، اُس بغاوت کو فرو کرنا بھی حکمران کی ذمہ داری ہوتی ہے، تاکہ معاشرے میں امن و امان قائم رہے اور انارکی نہ پھیلے۔ جو قوم سرکشی اور بغاوت کی عادی ہو جائے اور کسی حکمران کو ٹکنے نہ دے، اُسے حاکمِ وقت کی نرمی مزید سرکش بنا دیتی ہے۔ حجاج بن یوسف کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے خوارج کے خلاف مؤثر کارروائی کی۔ خود لشکر کی کمان کرتے ہوئے شعیب خارجی کو شکست دی، باغیوں کو ٹھکانے لگایا اور بغاوتوں کا سر کچلا۔

حجاج بن یوسف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے ہندوستان کی فتح کے لیے محمد بن قاسم کو روانہ کیا۔ اس کے حکومت کرنے کا طریقہ محمد بن قاسم کے نام ۲۰/ رجب ۹۳ھ/ 2/ مئی 712ء کو لکھے گئے اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ: ’’جاننا چاہیے کہ ہمارے دل کے ارادے اور ہمت کا یہی تقاضا ہے کہ تمھیں ہر حال میں کامیابی حاصل ہو اور (انشاء اللہ تعالیٰ) تم کامیاب اور فتح مند ہو گے اور اللہ عز و جل کے احسان سے دشمن دنیا کی سزا اور عاقبت کے عذاب میں ہمیشہ گرفتار اور مغلوب رہیں گے۔ اور ہرگز یہ بدگمانی نہ کرنا کہ دشمن کے یہ ہاتھی، گھوڑے اور سامان و اسباب تمھارے آڑے آئیں گے۔... جو بھی قلعہ فتح ہو (اس میں سے) لشکر کی ضروریات کی جو بھی چیز ہاتھ آئے، وہ (لشکر پر) خرچ اور تیاری میں صَرف کرنا۔ کھانے پینے کی ضروری چیزوں سے جتنا ممکن ہو سکے (کسی کو) روک ٹوک نہ کرنا۔ ارزانی اور فراوانی کے لیے سعی بلیغ کرنا، تاکہ لشکر میں غلہ سستا رہے۔ دیبل میں جو کچھ بچایا گیا ہے، اسے قلعہ میں ذخیرہ کر کے رکھنے کے بجائے لوگوں پر صَرف کرنا بہتر ہے۔ کیوں کہ ملک فتح ہونے اور قلعوں کے قبضے میں آنے کے بعد رعایا کے آرام اور باشندوں کی دلجوئی کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر کسان، صنعت کار، دست کار اور تاجر آسودہ ہوں گے تو ملک سرسبز اور آباد رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ‘‘ (چچ نامہ)

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

ڈالر کا زوال

لین دین کے نظام میں نت نئی اختراعات اور ان میں چھپے ہوئے سٹے کی سکیمیں دراصل ایک ایسا جال ہے، جو آج کے دور میں عالمی تنازعات اور معاشی بربادی کی وجہ بن چکا ہے۔ Legal Tender کا تصور دنیا میں بہت قدیم ہے۔ اٹھارہویں صدی میں اس تصور نے لین دین کے نظام میں کافی سہولیات فراہم کیں۔ اس تصور کی وجہ سے ایک بڑی مقدار میں سونا و دیگر قیمتی دھاتوں کی ترسیل کے مشکل ترین اُمور کو سہل بنایا گیا۔ بین الاقوامی تجارت میں خاطر خواہ اضافہ ممکن ہو سکا۔ لیکن ہوا وہی کہ اس سہولت کو بھی تدریجاً انسانیت کے لیے وبالِ جان بنا دیا گیا۔

چناں چہ Legal Tender کی صورت میں کرنسی نوٹوں کی بھرمار کر دی گئی اور اس امر کو ضروری نہیں سمجھا گیا کہ مطلوبہ قیمتی دھات اس کے بدلے میں محفوظ رکھی جائے۔ بعد ازاں اس قیمتی دھات کے تصور میں پیداوار کو بھی ڈال دیا گیا اور قرار پایا کہ اب کرنسی کی چھپائی پیداوار اور اس کی مطلوبہ قیمت کی بنیاد پر کی جائے گی۔ اس پر طُرّہ یہ کہ ڈالر کو تمام کرنسیوں کی ماں اور دنیا میں تجارتی لین دین کی بنیاد قرار دے دیا گیا۔ سب نے اس تصور کو قبول نہیں کیا، لیکن ایشیا و افریقا کی غریب اور مغلوب اقوام کی تابع داری، تیل اور اسلحے کی عالمی تجارت میں امریکی اجارہ داری نے ڈالر کو قانونی حیثیت دلوا دی اور عالمی تجارت کا غالب حصہ ڈالر کا مرہونِ منت رہا۔

حالیہ دہائیوں کے دوران عالمی تجارت میں چین جیسے نئے کھلاڑیوں کی آمد کی وجہ سے امریکا اور ڈالر کی اجارہ داری کو کافی دھچکا لگا ہے۔ خصوصاً آخری پانچ سالوں میں ڈالر کی حیثیت کو چیلنج کرنے کے لیے سونا، چینی یوآن اور کرپٹو کرنسی ہر گزرتے دن میں مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔ ان متبادل ذرائع کے مضبوط ہونے کی دو وجوہات ہیں: ایک دنیا میں تازہ دم اور آزاد معاشی قوتوں کا استحکام اور دوسرا امریکی معیشت پر پیداوار سے زائد قرضوں کا بوجھ اور ریکارڈ ادائیگیوں کا خسارہ ہیں۔ اب تو حال یہ ہے کہ امریکا پر کُل 220 کھرب ڈالر کا اندرونی اور بیرونی قرضہ ہے، جس میں صرف چین کا حصہ 11 کھرب ڈالر سے زائد کا ہے۔

امریکا کی مقامی قرضوں کی فراہمی کرونا وبا کے بعد اس قدر زوال کا شکار ہو چکی ہے کہ اب ڈالر چھاپنے یا چین جیسے بیرونی سرمایہ کاروں سے مزید قرض لینے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا۔ چناں چہ ان عالمی حالات میں صرف چین ہی ہے جو معاشی حوالے سے اس قابل ہے کہ امریکا کے مرکزی بینک کو قرض دیتا رہے۔ گویا امریکا کی محدود مدتی معاشی بقا کا دار و مدار چین پر ہے۔ موجودہ عالمی سیاسی حالات کے تناظر میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ پہلے سے ہی زائد الرسد ڈالر جو دراصل اپنی 32 فی صد حیثیت کھو چکا ہے، عالمی سطح پر بھی اپنی قدر کھو سکتا ہے۔ بقیہ صفحہ 7 پر

www.rahimia.org

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

تنازعۂ ناگورنو قرہ باغ؛ خطہ قفقاز

یہ تنازعہ خطہ قفقاز کے دو ملکوں کے درمیان پیدا ہوا ہے۔ چوں کہ ہمارے علاقے میں ان کا تعارف نہ ہونے کے برابر ہے، لہٰذا اس تنازعے کو سمجھنے کے علاوہ ان ممالک کا مختصر تعارف بھی ضروری ہے۔

آرمینیا سرکاری نام ''جمہوریہ آرمینیا'' اور دارالحکومت یریوان ہے۔ یہ ساحلی علاقوں کے بغیر ایک زمین بند ملک ہے، جو یوریشیا کے خطے قفقاز میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں جارجیا اور جنوب میں ایران، جب کہ مشرق میں آذربائیجان اور مغرب میں ترکی ہے۔ 2017ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی کل آبادی 29 لاکھ 30 ہزار 4 سو 50 تھی۔ پاکستان نے آج تک آرمینیا کو تسلیم نہیں کیا ہے۔

آذربائیجان سرکاری نام ''جمہوریہ آذربائیجان'' ہے۔ اس کے دارالحکومت کا نام باکو ہے۔ 2019ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی کل آبادی 90 لاکھ 98 ہزار ہے۔ یہ یوریشیا کے جنوبی قفقاز کا سب سے بڑا اور زیادہ آبادی والا ملک ہے۔ آذربائیجان بحیرۂ کیسپئین یعنی بحرِگیلان (دنیا کی سب سے بڑی جھیل) کے مغربی کنارے مشرقی یورپ اور جنوب مغربی ایشیا کے سنگم میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں روس اور جنوب میں ایران اور آرمینیا ہیں۔ 1991ء میں سوویت یونین کے بین الاقوامی کردار سے واپس لوٹنے کے نتیجے میں جہاں اَور 15 ممالک اس سے علاحدہ ہوئے، یہ دونوں ممالک بھی انھی میں شامل تھے۔

آذربائیجان کی علاحدہ حیثیت کو جن ملکوں نے سب سے پہلے تسلیم کیا، ان میں ترکی کے بعد پاکستان دوسرا بڑا ملک تھا۔ بی بی سی کی 5/ اکتوبر کی رپورٹ کے مطابق ''ایک وقت تھا جب نہ روس کوئی ملک تھا، نہ آرمینیا اور نہ ہی آذربائیجان۔ یہ تینوں ہی سوویت یونین یعنی یو ایس ایس آر کا حصہ تھے''۔ مذکورہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''آج دونوں ممالک آرمینیا اور آذربائیجان آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ان حالات میں روس کا کردار دلچسپ ہوگیا ہے۔ کیوں کہ اس کا ان دونوں کے ساتھ پرانا رشتہ ہے، جواب بھی قائم ہے''۔ آرمینیا کے ساتھ روس کا فوجی اتحاد ہے، جس کا نام ''تنظیم معاہدہ اجتماعی سلامتی'' (Collective Security Treaty Organization) ہے، جسے اختصار سے CSTO کہتے ہیں۔ بی بی سی کے مطابق ''روس کا وہاں ایک فوجی اڈہ بھی قائم ہے، لیکن روس کی اپنی سرحد سے متصل آذربائیجان کی حکومت سے بھی اچھی دوستی ہے''۔ بی بی سی کا مزید کہنا ہے: ''آرمینیا اور آذربائیجان جن ہتھیاروں سے لڑ رہے ہیں، وہ دونوں نے روس سے خریدے ہیں۔ یعنی روس دونوں کو اسلحہ فراہم کرتا چلا آرہا ہے''۔

یہ خطہ تیل کے ذخائر سے مالا مال ہے۔ 30/ ستمبر 2020ء کو جاری ہونے والی بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق ''گزشتہ صدی میں عالمی منڈی میں فروخت ہونے والا آدھے سے زیادہ تیل باکو سے نکالا جاتا تھا''۔ رپورٹ میں مزید ہے کہ: ''آج بھی باکو دنیا کی تیل کی کل کھپت کا پانچواں حصہ یعنی 20 فی صد اکیلا پیدا کرتا ہے۔ تیل کے پیسے نے باکو اور آذربائیجان کو ترقی اور خوش حالی دی ہے''۔

ناگورنو قرہ باغ باکو اور یریوان کے درمیان ناگورنو قرہ باغ متنازعہ علاقہ ہے۔ 1991ء میں یو ایس ایس آر (USSR) سے علاحدہ ہونے کے بعد دونوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ یہ جنگ 1994ء تک جاری رہی۔ اس دوران 30 ہزار سے زائد لوگ مارے گئے اور یہ علاقہ مکمل طور پر آرمینیائی افواج کے کنٹرول میں آچکا تھا۔ روس نے شامل ہو کر ان کے درمیان معاہدہ کروایا، جس کے نتیجے میں یہ طے ہوا کہ ناگورنو قرہ باغ آذربائیجان کا ہی حصہ رہے گا، لیکن اس کا حکومتی کنٹرول آرمینیائی نسل کے لوگوں کے پاس ہوگا، جنھیں آرمینیا کی حکومت کا تعاون حاصل رہے گا۔

انڈی پینڈنٹ اخبار کی 28/ ستمبر 2020ء کے مطابق ''یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی جب اتوار 27/ ستمبر کی صبح آذربائیجان نے ان علاقوں کے خلاف فضائی اور زمینی حملے شروع کیے، جو بین الاقوامی طور پر جمہوریہ آذربائیجان کے علاقے سمجھے جاتے ہیں۔ تقریباً 30 سال قبل اس پر آرمینیائی فوج نے قبضہ کرلیا تھا''۔

امریکا، فرانس اور روس نے لڑائی کی مذمت کرنے کے علاوہ فوری طور پر جنگ بندی کا تقاضا کیا ہے۔ 1994ء کے بعد مسئلے کا مستقل بنیادوں پر حل تلاش کرنے کے لیے تینوں ملکوں پر مشتمل گروپ تشکیل دیا گیا تھا، جس کا نام او ایس سی ای (Organiazation for Security and Co-opration in Europe) ''یورپ کی سلامتی کے لیے تعاونی تنظیم'' تھا۔ گروپ سے مسئلے کے حل کو تلاش کرنے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی۔

موجودہ حالات میں جنگ کا اچانک پھوٹ پڑنا انتہائی اہم ہے۔ گروپ کا اہم رکن امریکا آئندہ انتخابات میں جانے والا ہے۔ لہٰذا انتخابات کے حوالے سے اسی کو مسئلے کی ضرورت ہے۔ فرانس کے حالیہ اقدامات اپنے پیشروؤں سے خاصے مختلف ہیں۔ پیچھے روس رہ جاتا ہے، جو جنگ کے خلاف ہے، جب کہ اس دفعہ طبلِ جنگ خطہ قفقاز میں بجایا گیا ہے۔ اس مسئلے کے پیچھے وہی نادیدہ ہاتھ ہے، جس کی کوشش ہوگی کہ ماسکو دوبارہ امریکی انتخابات پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہ کرے، بلکہ اپنے مسائل میں خود ہی اُلجھا رہے۔ لہٰذا اس آگ کو سائبیریا سے چلنے والی ٹھنڈی ہوائیں ہی بجھائیں گی۔

بقیہ **ڈالر کا زوال** ڈالر کی قدر کھونے کے نتیجے میں چین کے ساتھ ساتھ ان معیشتوں کو بھی دھچکا لگ سکتا ہے، جہاں ڈالر کے ذخائر قدرے زیادہ مقدار میں موجود ہیں، لیکن چین جیسی معیشت کے لیے یہ دھچکا جز وقتی ہوگا۔ کیوں کہ وہ پہلے ہی معاشی تنوع پر کام کرتے ہوئے دیگر عالمی مالیاتی وتجارتی اثاثے بنا چکا ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ایسے میں پاکستان کی معیشت کو فائدہ ہوسکتا ہے اور اگر ہماری مقتدرہ کی مفاد پرستی اور چالاکی آڑے نہ آئی تو پاکستانی روپیہ کی قدر ڈالر کے مقابلے میں بہتر ہوسکے گی۔ یہ مہنگائی کے اثرات کو کم کرنے میں خاطر خواہ مدد فراہم کرے گی۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

قول و فعل کے تضاد کا نقصان

16/ اکتوبر 2020ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے جو کہو، اس کو کرو نہیں''۔ (القرآن 61:3-2) ان آیاتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ کچھ مسلمانوں نے آپس میں جمع ہو کر یہ بات کی کہ اگر ہمیں یہ پتہ چل جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو کون سا کام پسند ہے تو ہم وہ کام پوری شدت اور چاہت کے ساتھ کریں گے، تاکہ اللہ کے محبوب بن جائیں۔ اللہ پاک نے ان کے جواب میں فرمایا کہ صرف زبان سے کہہ دینے سے محبت پیدا نہیں ہوتی، جب تک جو کچھ زبان سے کہا ہو، اسے عمل میں نہ لایا جائے۔ قول و فعل میں تضاد اللہ کے ہاں بہت ہی ناراضگی کا سبب ہے۔ جتنی اقوام پر بھی عذابِ الٰہی آیا، اس کا سبب یہی تھا کہ وہ انسانوں کے سامنے جو بات کہتے تھے، عمل اس کے خلاف کرتے تھے۔ قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط، یہ وہی اقوام ہیں جن کو ان کے حکمران طبقوں نے اجتماعیت کے علی الرغم انسانیت کو نقصان پہنچانے کے کام میں استعمال کیا اور اپنے اس ظلم کے کام کو اچھا کام کہا۔ ایسے ہی نمرود، شداد، ہامان، قارون، فرعون، ابوجہل اور قیصر و کسریٰ تھے کہ وہ جو دعویٰ کرتے تھے، اس کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے۔

باقی رہی یہ بات کہ تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کا محبوب ترین کام کا ہمیں پتہ چل جائے تو ہم اس پر عمل کریں گے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ: ''بے شک اللہ تو اُن کو پسند کرتا ہے، جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں۔ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے''۔ (القرآن 61:4) اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو دین کے غلبے کے لیے ایسی صف بندی کے ساتھ کام کرتے ہیں کہ جیسے وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ جماعت کی اجتماعی طاقت کو اللہ پاک نے اپنی محبت کا مرکز قرار دیا۔ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو پوری تگ و دو کے ساتھ اپنی اجتماعیت، نظم و ضبط اور تنظیم قائم کرتے ہیں۔ ایسی صف بندی کرتے ہیں کہ جس میں کوئی رخنہ اندازی نہیں ہوتی۔ لوگ محبتِ الٰہی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے فلاں وظیفہ پڑھ لو محبت پیدا ہو جائے گی۔ کوئی فلاں کام کرنے کو کہتا ہے کہ یہ محبت کا ذریعہ ہے۔ اگر اجتماعیت نہیں ہے تو محبتِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہ آیاتِ قرآنیہ واضح کر رہی ہیں کہ فرد انفرادی طور پر تب تک محبتِ الٰہیہ حاصل نہیں کر سکتا، جب تک بالخصوص وہ ذاتی اور انفرادی مفاد پرستی کا شکار رہتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ جماعت پیدا کرے اور اس کی بنیاد پر اپنی ایک طاقت اور قوت بنائے۔ جو جتنا زیادہ اجتماعیت کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہوگا، اتنا ہی محبتِ الٰہیہ کا جویا ہوگا۔ جماعت اور اجتماعیت کے بغیر نہ کوئی حکومت قائم ہو سکتی ہے، نہ کوئی نظام بن سکتا ہے۔''

مشاورت: جماعتوں کے اجتماعی نظام کی روح ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک خلافت (حکومت) بغیر جماعت کے نہیں ہوتی اور جماعت بغیر مشاورت کے نہیں ہوتی۔ اگر مشاورتی نظام نہیں ہے، آمریت ہے، جمہور کی رائے نہیں ہے، اجتماعی طاقت اور قوت نہیں ہے تو جماعت وجود میں نہیں آسکتی۔ جماعتوں کے سربراہ اگر اکیلے ہی انفرادی طور پر جو چاہے فیصلے کرتے رہیں، وہ جماعت نہیں، وہ تو آمریت ہے۔ آج اس تناظر میں ذرا ہم اپنی سوسائٹی کا جائزہ لیں۔ دو ڈھائی سو سال سے، جب سے ہم غلام رہے ہیں، اجتماعیت کا شعور، جماعت اور تنظیم کے ساتھ رہنے کا عمل ہماری سوسائٹی سے نکل گیا ہے۔ مسلمان معاشروں میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہاں انفرادیت ہے۔ جماعت بندی اور صف بندی کا کوئی طریقۂ کار نہیں ہے۔ غلامی کے زمانے میں ہمارا جو نظامِ تعلیم بنایا گیا، اس نے انفرادیت سکھائی۔ اس میں اجتماعیت کا بہت ناقص تصور ہے۔ جدید تعلیمی ادارے ہوں، یا قدیم مذہبی تعلیمی ادارے، ان کے ہاں تنظیم بنانا، جماعت قائم کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ سوچ دی جاتی ہے کہ بس خود انفرادی طور پر ٹھیک ہو جاؤ اور ترقی کرو۔

ہمارے معاشروں میں جسے صف بندی یا جماعت کہتے ہیں، وہ حقیقت میں جماعت نہیں ہوتی۔ وہ افراد کا ایسا انبوہ ہوتا ہے کہ جس کو صرف ٹائٹل جماعت کا دیا جاتا ہے۔ پھر جماعت بھی جو قائم کی جاتی ہے، وہ صرف نام کی جماعت ہوتی ہے۔ اس میں مشاورت کا عمل نہیں ہوتا۔ فردِ واحد کی آمریت ہوتی ہے۔ وہ ایک خاندان کی لمیٹڈ کمپنی قرار پاتی ہے۔ پاکستان کی اکثر جماعتیں ن، ف، ق، س وغیرہ کے عنوان سے انفرادی ناموں سے رجسٹرڈ ہیں۔ ان کے ہاں محض رسمی مشاورت ہوتی ہے۔ وہ بھی یہ کہ بڑے بڑے چار پانچ دس لیڈر جمع ہو جائیں اور مشورہ کر لیں تو وہ مشورہ شمار ہوتا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ ایسے جلیل القدر، اولوالعزم، بہادر، دلیر اور جرأت مند حکمران کی مجلس مشاورت میں نوجوان، بڑے، بوڑھے، تمام سمجھ دار، عقل مند، قرآن حکیم کا فہم رکھنے والے، ہر وقت موجود رہتے تھے۔ عمر فاروقؓ سب سے کہتے تھے کہ دیکھو! مشورہ صرف بڑی عمر والوں کا حق نہیں ہے۔ نوجوانوں کو بھی پوری طاقت اور قوت، جرأت اور ہمت کے ساتھ اس مجلس مشاورت میں اپنی رائے دینی چاہیے۔ آپؓ مشورے میں شریک نوجوانوں سے براہِ راست رائے لیتے تھے۔ سب کی رائے سنی جائے، سمجھی جائے، تبھی تنظیم ڈسپلن اور جماعت قائم ہوتی ہے۔ اگر یہ تنظیمی طاقت نہ ہو اور ''بنیان مرصوص'' کے مطابق صف بندی نہ ہو تو کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اللہ کی محبت اسی جماعت پر آتی ہے، جس کی تنظیمی قوت مضبوط ہو۔ اسی محبتِ الٰہیہ کی وجہ سے اللہ نے نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ (القرآن 61:13) کا اعلان کیا ہے۔ اُن مؤمنین کے لیے جو ایسی جماعت بندی کر لیں، اللہ کی طرف سے نصرت اور قریبی زمانے میں فتح کے حصول کی خوش خبری ہے۔''

www.rahimia.org

قیادت پر مسلط ناکارہ طبقے تنظیمی طاقت وقوت سے محروم ہیں

حضرت آزادرائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

’’اللہ پاک نے بڑی اہم بات ارشاد فرمائی ہے کہ: ’’کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟‘‘ کہا گیا کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنایا ہے۔ اسلام کے لیے ملک حاصل کیا۔ 72 سال ہوگئے اسلام سے کوسوں دور ہے۔ تو کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اسلام کا نفاذ پیش نظر ہی نہیں تو کہا کیوں؟ اور پھر ستر بہتّر سال کی تاریخ گواہ ہے کہ یہاں ہر جماعت نے جس وعدے پر الیکشن لڑا، وہ پورا نہیں کیا۔ کہا کچھ، اور کیا کچھ۔ ہر پانچ سال بعد جن وعدوں پر حکومت آتی ہے اپنے پانچ سالہ دور میں وہ اس کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ اپنی ہی باتوں کی تردید کرتی ہے۔ یوٹرن لیے جاتے ہیں اور پھر یوٹرن کے فائدے بتائے جاتے ہیں۔ راتوں رات معاہدات توڑے جاتے ہیں۔

خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد جب مولانا عبیداللہ سندھیؒ ہندوستان، افغانستان، روس، وسطی ایشیائی مسلم ریاستوں، سوئٹزرلینڈ، ماسکو اور قسطنطنیہ (استنبول) میں رہنے کے بعد 1928ء میں مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمان ریاستوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان ممالک میں مسلمانوں کی جو مذہبی اور سیاسی قیادت اس وقت موجود ہے، میری پختہ رائے ہے کہ اس قیادت اور اس کے زیرِتعلیم لوگوں کی بنیاد پر مسلمانوں کو زوال سے نکالنے کا کوئی بھی پروگرام بنایا جائے، وہ فیل ہوجائے گا۔ خواہ اس مقتدر طبقے کی اساس پر آپ انقلاب کی پلاننگ کرلیں، جمہوریت کے نام سے پارلیمنٹ بنالیں، بادشاہت کے نام سے ڈکٹیٹرشپ مسلط کرلیں، قومی حکومتوں کے نام سے قومی جمہوریت قائم کرلیں۔ سوشلزم، سرمایہ داری یا اسلام کا نام استعمال کرکے اس کا سیاسی نظریہ استعمال کریں۔ مسلمان ملکوں کا مذہبی اور سیاسی کیڈر ناکارہ ہوچکا ہے۔ ان پر اعتماد کرکے کوئی پروگرام بنانا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ کیوں کہ نااہل طبقہ، جس میں سِرے سے جماعت سازی، تنظیمی طاقت وقوت کی اہمیت نہیں رہی، آپ اچھے سے اچھا پروگرام دے دیں گے، وہ فیل کرکے چھوڑے گا۔

آپ دیکھئے کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا کیا ہوا تجزیہ اس پورے سو سال کی گزری ہوئی تاریخ کے واقعات کی عکاسی کرتا ہے۔ جو انھوں نے 1930ء میں تجزیہ کیا تھا، وہ بالکل درست ثابت ہوا۔ خواہ بادشاہت کا نظام جو عرب ملکوں کو ٹکڑوں میں بانٹ کر قائم کیا گیا، یا جمہوریت کے نام پر پاکستان میں اور بادشاہت کے نام پر افغانستان جیسے ملکوں میں ڈرامہ رچایا گیا۔ مسلمانوں نے مارشل لاء بھی لگائے، آمریتیں بھی قائم کیں، سیاسی حکومتیں بھی بنائیں، لیکن پھر بھی مفتوحیت اور مغلوبیت آج مسلمانوں پر ہی مسلط ہے۔ کیوں کہ ان تمام مسلمان ملکوں کا غالب نظام جماعتی زندگی اور ڈسپلن نہیں سکھاتا۔ ہر ایک کے دماغ میں بچپن سے ہی ماں باپ کے گھر سے لے کر، کالج، یونیورسٹی، مسجد، مدرسے، پیرخانے، خانقاہوں تک میں ایک ہی بات ڈالی جاتی ہے کہ خود ترقی یافتہ بنو، انفرادی طور پر آگے بڑھو۔ جب اجتماعیت اور مشاورت کی بات آتی ہے تو اُسے نظرانداز کیا جاتا ہے۔‘‘

پارلیمنٹ اور ڈی چوک کے پاور شو

حضرت آزادرائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

’’دنیا بھر کی جمہوریتوں میں جمہوریت کا حسن یہ ہوتا ہے کہ قومی جمہوری نظام میں قوم کے حقیقی نمائندے واقعی منتخب ہوکر پارلیمنٹ میں جاتے ہیں اور معاملات پارلیمنٹ کے فلور پر بیٹھ کر حل کرتے ہیں، لیکن ستر سالوں سے پاکستان میں ایک تماشا لگا ہوا ہے۔ پارلیمنٹ پر قبضہ کرنے کی جنگ رہتی ہے۔ کبھی کوئی قبضہ کرلیتا ہے، کبھی کوئی۔ جو مشاورتی فورم (پارلیمنٹ) ہے، وہاں کوئی بات نہیں کی جاتی۔ وہاں سے نکل کر گلی محلوں، سڑکوں پر جلسے جلوس کیے جاتے ہیں اور عوام سے کہا جاتا ہے کہ تم قربانی دو۔ کہا جا رہا ہے کہ ضرور ایک لیڈر بڑا کرپٹ ہے، لیکن اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ جی ضرور کرپشن ہے، لیکن کرپشن ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ سلیکٹڈ حکومت ہمارا ٹارگٹ ہے۔ یہ بتاؤ کہ ستر سالوں سے کون سی حکومت ہے جو سلیکٹڈ نہیں تھی؟ کس نے اُنھیں منتخب کیا؟ ساری سلیکٹڈ حکومتیں ہی تھیں۔ تمھیں اقتدار مل جائے تو تمھارے نزدیک الیکٹڈ حکومت ہے۔ دوسرے کے نزدیک یہ سلیکٹڈ حکومت ہے۔ وہ دھرنے دیتا ہے، جلوس نکالتا ہے۔ آج جو پہلے دھرنے دے رہا تھا، اُسے سلیکٹڈ حکومت کہا جا رہا ہے اور جن کو اقتدار نہیں ملا، وہ باہر بیٹھ کر جلوس نکال رہے ہیں۔

یہ لوگ جس نظامِ جمہوریت کو مانتے ہیں، اس کا تقاضا تو تھا کہ پارلیمنٹ میں بیٹھ کر کام کریں۔ جب کہ پارلیمنٹ سے باہر نکل کر اپنے ہی بنائے ہوئے نظام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ ’’کیوں کہتے ہو وہ بات جو کرتے نہیں ہو؟‘‘ آج سے چار پانچ سال پہلے جب اسلام آباد میں دھرنے دیے جاتے تھے تو یہی ساری پارٹیاں پارلیمنٹ میں بیٹھ کر اعلان کر رہی تھیں کہ پارلیمنٹ میں آکر بات کرو۔ ڈی چوک میں کیوں بیٹھے ہو؟ اور آج معاملہ اُلٹا ہے۔ جو اُس وقت ڈی چوک میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ کہتے ہیں پارلیمنٹ میں آکر بات کرو۔ دوسرے کہتے ہیں کہ نہیں! ہم نے تو ڈی چوک پر ہی بات کرنی ہے۔ یہ کیا تماشہ ہے؟ اس کو ملکی اجتماعیت اور جماعت بندی کہتے ہیں؟

جماعت کا شعور پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ جماعت ایک نظریے اور نصب العین پر بنتی ہے۔ اس کے پیشِ نظر ایک پروگرام ہوتا ہے۔ جماعت کے تمام افراد ایک طے شدہ لائحۂ عمل کے مطابق کام کرتے ہیں۔ چاہے کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگ جائے، جماعت اسی طرح بنتی ہے۔ نبیؐ کا طریقہ چھوڑ کر جب بھی کام کیا جائے گا، تو اسی سسٹم کی آلہ کاری اور چاکری ہوگی، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ کامیابی کا ایک ہی راستہ ہے کہ اپنے اندر سچی، تقویٰ والی متقی جماعت تیار کی جائے، جو انقلاب کی بنیاد پر کام کرے کہ اسے اس زوال کی حالت سے نکلنا ہے۔ اس فرسودہ غلامی کے نظام کو توڑنا ہے۔ اسلام کی تعلیمات اور انسانیت کی خدمت کی بنیاد پر نظام قائم کرنا ہے۔ تبھی کامیابی ہوسکتی ہے۔ یہ دینی شعور پیدا کرنا، جمعہ کے دن کی نصیحت کا بنیادی ہدف ہونا چاہیے۔‘‘

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا ابومحمد احمد الدین چکوالیؒ

برعظیم پاک و ہند کی تحریکاتِ آزادی میں ریشمی رومال کی تحریک ایک ہمہ گیر تحریک تھی، جس نے پورے ہندوستان کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ اس تحریک کے روحِ رواں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور ان کی تربیت یافتہ جماعت تھی۔ تحریک کے آغاز ہی میں وطنِ عزیز کے مختلف شہروں میں اہم مراکز کا قیامِ عمل میں لایا گیا۔ انھی مراکز میں ایک اہم مرکز چکوال کا بھی تھا۔ اس مرکز کے منتظم مولانا ابومحمد احمد چکوالیؒ تھے۔

مولانا احمد الدین چکوالیؒ کی پیدائش ۲۰/ رمضان المبارک ۱۲۶۸ھ/ 8/ جولائی 1852ء کو موضع بولہ، پنڈ دادن خان میں ہوئی۔ والدِ گرامی کا نام غلام حسین اعوان تھا۔ اوائل عمری ہی میں انھوں نے چکوال میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ابتدائی تعلیم چکوال میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخل ہوئے۔ یہاں پر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد دیو بند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی خدمت میں رہ کر علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ ولی اللّٰہی افکار و نظریات پر بھی دسترس حاصل کی۔ وہ حضرت شیخ الہندؒ سے اتنے متأثر ہوئے کہ ان کے گرویدہ ہو گئے۔

مولانا ابومحمد احمدؒ نے تحصیلِ علم کے بعد لاہور کے اورینٹل کالج میں داخلہ لیا۔ ان کا شمار ذہین طلبا میں کیا جاتا تھا۔ ان کی ذہانت کی بنیاد پر کالج کی جانب سے انھیں ماہانہ وظیفہ بھی ملتا تھا، لیکن کالج میں ان دنوں تعلیم کا معیار کم ہونے کی وجہ سے 1882ء میں وہ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ جہاں ان کی ملاقات 1857ء کے عظیم انقلابی رہنما اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے انتہائی قابلِ اعتماد ساتھی مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ سے ہوئی۔ حجاز میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے قائم کیے گئے مدرسے ''مدرسہ صولتیہ'' میں ایک سال کے قیام کے دوران حدیث و قرأت وغیرہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستان واپس تشریف لے آئے۔ 1892ء میں کشمیری بازار لاہور کی ''صوفی مسجد'' کے امام و خطیب مقرر ہوئے۔ مستقبل میں یہ مسجد تحریکی سرگرمیوں کا مرکز بھی بنی۔ وطنِ عزیز میں واپس آنے کے بعد مکمل طور پر تحریکِ آزادی کی جدوجہد سے وابستہ ہو گئے۔ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شانہ بہ شانہ کام کیا۔ امامِ انقلابؒ کی ترغیب پر ہی تحریکی سرگرمیوں بالخصوص تحریکِ ریشمی رومال میں سرگرم رہے۔ تحریکِ ریشی رومال کے تنظیمی دعوتی کاموں میں پیش پیش رہے۔ 12/ ستمبر 1909ء میں حضرت شیخ الہندؒ کی صدارت میں ہونے والے ''جمعیۃ الانصار'' کے قیام کے مشاورتی اجلاس میں شرکت کی۔ ابتدا میں کچھ عرصہ انھوں نے ''جمعیۃ الانصار'' کے نائب ناظم کی ذمہ داری بھی نبھائی۔

تحریکِ ریشمی رومال کے سلسلے میں جو بنیادی مراکز پورے ملک میں قائم کیے گئے، ان میں دہلی، لاہور، کراچی، دین پور، امروٹ اور یاغستان کے علاوہ چکوال بھی شامل تھا۔ پنجاب میں قائم اس شاخ کی صدارت مولانا موصوفؒ کے پاس تھی۔ وہ مستقل مزاجی کے ساتھ مقامی سطح پر تحریکِ ریشمی رومال کی قیادت فرماتے رہے۔ اس مقصد کے لیے عوامی رابطوں کو مضبوط کیا اور ہر خاص و عام تک حضرت شیخ الہندؒ کا مشن پہنچایا۔ وہ تحریکی سرگرمیوں میں رہنمائی کی غرض سے دیو بند مرکز کے ساتھ مستقل رابطے میں رہتے تھے۔ کئی بار انھوں نے دیو بند کا سفر بھی کیا۔ تحریک میں ان کا ایک اہم کام مختلف جگہوں سے تحریک کے لیے فنڈ اکٹھا کرنا تھا۔ تحریک کے رہنماؤں کا ان پر اعتماد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ عبدالرحیم کے نام خط میں امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے ریشمی رومال کے ذریعے پیغام پہنچانے کے لیے مولانا موصوفؒ کو ذریعہ بنانے کی تاکید بھی کی تھی۔ تحریکِ ریشمی رومال کی فوج ''جنودِ ربانیہ'' کی فہرست میں مولاناؒ ''کرنل'' کے عہدے پر فائز تھے۔ برطانیہ کی جاری شدہ سی آئی ڈی کے رپورٹ کے مطابق 'صوفی مسجد' سرحد کی جانب جانے اور وہاں سے واپس آنے والے لوگوں کے ٹھہرنے کا ایک مرکز بھی تھی۔ کئی نوجوان جو انگریز کے مخالف ذہن رکھتے تھے، اس مسجد میں پناہ لیتے تھے۔ امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کابل میں مقیم تھے۔ تحریک کے بنیادی مرکز دہلی اور افغانستان کے درمیان اور بذریعہ مرکز کراچی، حجاز سے رابطوں کے لیے لاہور اور چکوال کے مراکز خاص اہمیت کے حامل تھے۔ اس لیے یہاں جس درجہ متحرک کردار کے حامل رہنما کی ضرورت تھی، اس کو مولانا موصوف نے بہ حسن وخوبی نبھایا۔

چوں کہ تحریکِ ریشی رومال میں مولاناؒ کا کردار قائدانہ تھا، اس لیے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت ستمبر 1916ء میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ آغاز میں ہونے والی تفتیش کے دوران انگریزوں کو کوئی شواہد نہ مل سکے اور الزام ثابت نہ ہو سکا، لیکن انگریز سرکار اس بارے میں مستقل سرگرداں رہی کہ اس تحریک کے بارے میں مزید معلومات اکٹھی کی جائیں۔ جب تحریک میں سرگرم کردار کے مکمل ثبوت مل گئے تو مولاناؒ نے پولیس کے سامنے تحریکِ آزادی اور تحریکِ ریشمی رومال میں شرکت کا کھلے لفظوں اعتراف کر لیا۔ جس کی پاداش میں ان کی نقل و حرکت کو پنجاب کی حد تک محدود کر دیا گیا۔ کافی عرصے تک ضلع انبالہ میں نظر بند رکھا گیا۔ حضرت مولانا ابومحمد احمد الدین چکوالیؒ جنوری 1920ء میں امرتسر میں ہونے والے جمعیۃ العلماء ہند کے ابتدائی اجلاس میں بھی شریک تھے اور سیاسی سرگرمیوں میں جمعیۃ کے ساتھ منسلک رہے۔ انھوں نے تحریکِ خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے حق میں ایک فتویٰ بھی جاری فرمایا۔ وہ فتویٰ مولانا عبدالباری فرنگی محل لکھنؤ کی خدمت میں بھی بھیجا گیا۔ لاہور میں قیام کے دوران راستے میں جاتے ہوئے ایک کار سے ٹکرانے کے نتیجے میں شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ان زخموں کی تاب نہ لا سکے اور ۲۸/ ذو قعدہ ۱۳۴۷ھ/ 8/ مئی 1929ء کو جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ مولاناؒ کی آخری آرام گاہ چکوال میں ان کے آبائی قبرستان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اکابرین کے مشن پر مستقل مزاجی کے ساتھ چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حمید الرحمٰن نعمانی، مانسہرہ

نباض العصر؛ حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ

جمہور نے جب نوجوان نسل کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی تو قرنِ اولیٰ کے ایک یادگار، عظیم انسان نے ٹھان لی کہ میں جیتے جی اپنی روحانی اولاد کو آگ کے شعلوں کی نذر نہیں ہونے دوں گا۔ خود تو بھڑکتی آگ کی تپش، طعن و طنز کی تشنیع اور تنہا کی اذیت سہہ لوں گا، مگر کارکنانِ قافلۂ شیخ الہندؒ، جو مجھے اولادِ حقیقی سے کہیں زیادہ عزیز، میری متاعِ حیات اور اُخروی سرمایۂ نجات ہیں، انھیں ضائع ہونے سے بچاؤں گا۔ پھر چشمِ فلک نے دیکھا، تاریخ نے اس مردِ حق آگاہ کی فکر و دانش، فہم و فراست کو سلامی دی کہ اس نے جو کہا تھا، سچ کر دکھایا۔ میری مراد خانقاہِ عالیہ رائے پور کے چوتھے مسند نشین، حکیم الامت، حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری رحمہ اللہ ہیں۔ کم و بیش جو باتیں اس مردِ قلندر نے نصف صدی پہلے کہی تھیں، دنیا کے فلاسفروں اور دانش وروں کو بہت بعد بالآخر انھیں تسلیم کرنا پڑا۔

میری خوش بختی و سعادت مندی کہ مجھے دو مرتبہ ان سے شرفِ ملاقات و زیارت کا اعزاز حاصل ہوا۔ پہلی ملاقات 1988ء میں دار العلوم ختمِ نبوت گوجرانوالہ میں ہوئی۔ میں اشاعت القرآن حضرت استاذی المکرّمی مولانا عبدالسلامؒ سے اجازت لے کر آیا تھا۔ انھوں نے بڑے شفقت بھرے اندازِ محبت میں فرمایا: ''تیرے واسطے میں ڈاکٹر خالد محمود صاحب (لندن) نوں وی بلایا، پَر توں سِدھا نہ ہویا، ونج آندیہا'' قاضی شمس الدین رحمہ اللہ کی کتاب مسالک العلماء فی حیاۃ الانبیاء کِد ئی ہائی!''

گوجرانوالہ پہنچا تو نہایت ہی محترم محبان پروفیسر حافظ محمد اختر رحمانی صاحب اور پروفیسر مولانا عبدالرحمٰن صاحب ایمن آبادی نے بڑی گرم جوشی سے اہلاً و سہلاً مرحبا! کہا۔ دوسرے روز نمازِ عصر کے بعد دار العلوم ختمِ نبوت کنگنی والا کی مسجد کے صحن میں بیٹھا وہ ساقی' راہِ حق کے ساتھیوں کو جامِ محبت پلا رہا تھا۔ مجھے میرے ان دونوں دوستوں میں سے کسی ایک نے بیعت ہونے کے لیے کہا تو میں نے جواباً کہا کہ آپ کو معلوم نہیں؟ میں نے امام الموحدین پیر سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے دستِ راست پر بیعتِ توحید کر رکھی ہے! میرا جواب جیسے شاید بھٹکی انسانیت کے مسیحا نے سُن لیا تھا۔ مسکرائے، پیار سے قریب کیا، گلے لگایا اور محبت سے چہرے پہ تھپکی دی۔ اس لمس کی حلاوت و مٹھاس ابھی تک نہیں بھول پایا۔ تصور ہی تصور میں کم و بیش دو صدی قبل کی وہ تھپکی یاد آ گئی، جو ایک سیّد نے، جو امام المجاہدین تھا، سیّد احمد شہیدؒ نے چودہ پندرہ سالہ اس نوجوان، جس نے دہلی کی جامع مسجد میں قافلۂ مجاہدین میں شمولیت اختیار کی تھی، کے چہرے پہ دی تھی اور بھیگی آنکھوں سے فرمایا تھا کہ: ''یہ گلاب سا چہرہ میدانِ جہاد میں مرجھا جائے گا؟'' تو اس نے کہا تھا: ''سیّد! یہ چہرہ آمنہ کے لعلؐ سے زیادہ قیمتی تو نہیں؟ یہ تین دن کا تربیتی پروگرام تھا، جس میں مَیں نے بہ غور قریب سے دیکھا، پڑھا، سنا اور مشاہدہ کیا۔

واللہ العظیم! میں نے کارکنوں کے لیے اُن سے زیادہ شفیق و مہربان آج تک نہ کسی مذہبی رہنما کو دیکھا، نہ سیاسی کو۔ کارکنوں سے ان کی شفقت و محبت باپ کی مانند تھی۔ مجلس میں پتہ نہیں چلتا تھا طالب کون ہے اور مطلوب کون؟ کوئی اونچ نیچ نہیں تھی۔ بس ایک خوشبو بھری مسکراہٹ پھیلتی تھی، جس سے پورا ماحول معطر ہو جایا کرتا تھا۔

دوسری ملاقات کا تذکرہ اُدھار سہی۔ وہ مرکزی جامع مسجد مانسہرہ میں ہوئی تھی۔ انھوں نے جمعۃ المبارک کے اجتماع سے تاریخی خطاب ارشاد فرمایا تھا۔ میرے ساتھ میرے خال المکرّم مولانا حامد میاں رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید تلمیذِ شیخ القرآن مولانا حبیب الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ بھی تھے، جو پچھلے دنوں ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ حق مغفرت فرمائے۔ عظیم انسان تھے۔ وعظ سنا تو فرمانے لگے: نباض العصر ہیں۔ ایسے لگا جیسے وقت کا عبید اللہ سندھیؒ بول رہا ہو۔ وہ واقعی نابغہ روزگار ایک عبقری شخصیت، اعلیٰ اوصاف و اَخلاق کے مالک، فلسفۂ ولی اللّٰہی کے امین، فکرِ سندھیؒ کے سب سے بڑے داعی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے افکار کے حقیقی وارث تھے۔ افسوس یہ کہ بہت سے علما ان کے مقام و مرتبے کو سمجھ نہ پائے۔ اگر سچ کہوں تو یہ کہ ان کے پاس اتنا علم ہی نہیں تھا کہ وہ ان کے فلسفۂ انقلاب کو سمجھ پاتے۔

منظوم

اُمِ مؤمنہ، کراچی

پیامِ صبحِ روشن

جو ہمت کے نشاں ہیں ، وطن کے نوجواں ہیں
پیامِ صبحِ روشن ، وطن کے نوجواں ہیں
جو روکیں ظلمتوں کو ، جلائیں شمع روشن
وطن کی آن ہیں یہ ، وطن کے پاسباں ہیں
پیامِ صبحِ روشن ، وطن کے نوجواں ہیں
اُٹھائے آنکھ جو بھی ، مٹا دیں اس نظر کو
وطن پر مٹنے والے ، وطن کے نگہباں ہیں
پیامِ صبحِ روشن ، وطن کے نوجواں ہیں
لہو میں ان کے شامل ہے ایماں کی حرارت
جرأت کے یہ پیکر ، یہ عظمت کے نشاں ہیں
پیامِ صبحِ روشن ، وطن کے نوجواں ہیں
ہیں باطل کے مقابل ، جو راہِ حق کے راہی
ولی اللّٰہی فکر و نظر کے ترجماں ہیں
پیامِ صبحِ روشن ، وطن کے نوجواں ہیں
یہ تاریکی ڈھلے گی ، طلوعِ صبح ہوگی
یہ مایوسی کے دشمن ، اُمیدوں کے نشاں ہیں
پیامِ صبحِ روشن ، وطن کے نوجواں ہیں
سحر کا استعارہ ، یقیں کی کرن بھی ہیں
یہ مٹی کے محافظ ، یہ معمارِ زماں ہیں
پیامِ صبحِ روشن ، وطن کے نوجواں ہیں

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

خوش خبری

ادارہ رحیمیہ لاہور میں

17 روزہ ''دورۂ تفسیر قرآن حکیم'' کا انعقاد

گزشتہ سالوں کے معمول کے مطابق اس سال بھی ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کے زیرنگرانی 17 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم منعقد کیا جا رہا ہے، جس کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں:

آغاز: 18/دسمبر 2020ء/۲/جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ

اختتام: 3/جنوری 2021ء/۱۹/جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۴۲ھ بروز اتوار

اس دورۂ تفسیر قرآنِ حکیم میں:

1۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اصولِ تفسیر
2۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے اُسلوبِ تفسیر
3۔ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تفسیری نکات کی روشنی میں قرآنی علوم و معارف کا بیان ہوگا۔

خصوصیات دورۂ تفسیر قرآن حکیم

اس دورۂ تفسیر کی خصوصیات درجِ ذیل ہیں:

☆ قرآنِ حکیم کی سورتوں کے مضامین کا جامع خلاصہ اور اس کے اہم نکات کا بیان
☆ شریعت کے حوالے سے اہم قرآنی موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام
☆ اَخلاقی تربیت اور تزکیۂ نفس کے لیے دینی اور روحانی ماحول
☆ قرآن حکیم کے بیان کردہ سیاسی، سماجی، معاشی اصولوں کی نشان دہی
☆ دورِ حاضر کے اہم عمرانی مسائل کے حوالے سے قرآنی افکار سے متعلق آگہی

اس دورۂ تفسیر میں شرکا کی رہنمائی کے لیے ملک بھر کے چنیدہ مفتیانِ کرام، دانشورانِ عظام، پروفیسرز اور ڈاکٹرز حضرات قرآنی موضوعات پر لیکچرز دیں گے۔ موسمِ سرما کی تعطیلات میں دینی مدارس، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز کے طلبا اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے بڑا موقع ہے کہ وہ اس دورۂ تفسیر سے بھرپور استفادہ کریں۔

اس دورۂ تفسیر میں شرائط کے مطابق داخلہ لے کر قرآنی فکر و شعور سے آگہی حاصل کریں۔ دینی تقاضوں کی تکمیل کے لیے روحانی، اَخلاقی اور اجتماعی تربیت کے حوالے سے دینی ماحول کے اس اہم موقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

نوٹ: اس دورۂ تفسیر میں شریک ہونے والے احباب اپنی آمد سے قبل ادارہ رحیمیہ لاہور کی انتظامیہ کو ضرور مطلع کریں، تاکہ انتظامات میں آسانی ہو۔

حافظ محمد شفیق (ناظم دفتر ادارہ) رابطہ نمبر: 0321-6455369

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال میں بورے والا کا رہائشی ہوں۔ میرے بیٹے نے اپنا ذاتی مکان لاہور میں بنالیا ہے۔ جب میں لاہور جاؤں اور اپنے بیٹے کے گھر قیام کروں تو کیا میں قصر نماز ادا کروں گا یا مقیم والی نماز پڑھوں گا؟
قاری محمد اسلم، بورے والا

جواب مذکورہ صورت میں بالغ بیٹے کی جائے سکونت والد کے لیے وطنِ اصلی نہیں ہے۔ لہٰذا جب والد اپنے بیٹے سے ملنے لاہور جائے اور وہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ قصر نمازیں ادا کرے گا۔

سوال میرا اپنے بیٹے کا عقیقہ کرنے کا ارادہ ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ میرا اور میرے والدین کا بھی عقیقہ نہیں ہوا تھا۔ کیا ہم اب ساتھ اپنا عقیقہ بھی کر سکتے ہیں؟
شہباز فاروق، لاہور

جواب (۱) عقیقہ کرنا ایک مستحب عمل ہے۔ اس میں بہتر یہ ہے کہ جب کسی کے ہاں کوئی بچہ یا بچی پیدا ہو تو ساتویں دن اس کا عقیقہ کردے۔ اس سے بچہ آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۲) عقیقہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکا ہو تو دو بکرے / بکری وغیرہ، بڑے جانور میں دو حصے۔ لڑکی ہو تو ایک بکرا / بکری، یا بڑے جانور میں ایک حصہ۔ بچے یا بچی کے سر کے بال منڈوا کر اس کے برابر سونا یا چاندی خیرات کردے۔ پھر جانور ذبح کرے۔

(۳) گر ساتویں دن عقیقہ نہ کرسکے تو جب چاہے، عقیقہ کرسکتا ہے۔

سوال عقیقہ میں بڑے جانور کی کیا شرائط ہیں؟

جواب عقیقہ کے جانور کی وہی شرائط ہیں، جو قربانی کے جانور کی ہیں۔ چھوٹے جانور مثلاً بکری وغیرہ کی عمر ایک سال اور بڑے جانور مثلاً گائے وغیرہ کی عمر دو سال ہو۔ جن نقائص کی وجہ سے قربانی کے جانور کی قربانی جائز نہیں ہوتی، انھیں نقائص کی وجہ سے عقیقہ کا جانور ذبح کرنا بھی صحیح نہیں ہوتا۔

سوال عقیقہ کا گوشت پکا کر تقسیم کرنا ضروری ہے؟ یا پھر جیسے قربانی کا گوشت کچا تقسیم کیا جاتا ہے اور اس کے تین حصے کیے جاتے ہیں اسی طرح عقیقہ کے گوشت کو بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے؟ شرعاً اس کی کوئی ممانعت تو نہیں؟

جواب عقیقہ کا گوشت چاہے کچا تقسیم کرے، چاہے پکا کر بانٹے، چاہے دعوت کرکے کھلا دے، سب طرح درست ہے۔ عقیقہ میں بعض باتیں رسمی ہیں، ان کو شریعت کا درجہ دینا بدعت ہے۔ مثلاً جب نائی سر مونڈنا شروع کرے تو پھر عقیقہ کے جانور پر چھری چلانی چاہیے، یا ران دائی کو دینا وغیر۔ اس قسم کی تمام باتیں بدعت ہیں۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔